AL-‘ULŪM *(July-December) 2021*
2:2, (74-95)

نظریہ اتمامِ حجت اور اس کے قواعد و ضوابط

The Concept of Completion of Proof *(Itmām-e-Hujjat)* and its rules and regulations

Farhad Ali*[1], Rab Nawaz (Ph.D) **

* PhD Research scholar, HITEC University, Taxila
** Assistant Prof, HITEC University, Taxila

Keywords:
Itmām-e-Hujjat,
Completion of proof,
Eternal Damnation,
Hell and Paradise

Farhad Ali. (2021 The Concept of Completion of Proof (Itmām-e-Hujjat) and its rules and regulations, Al-'Ulūm Journal of Islamic Studies, 2(2), 74-95.

Abstract: *The Hujjat refers to the proofs which indicate the sovereignty of Allah and introduce him as creator of the universe. These proofs enables a disbeliever to know and recognize Him by removing all the doubts and suspicions of a disbeliever. The followers of the former religions sought to establish their own monopoly on Paradise (al-Jannah) and deprived others of it. The Jews and Christians considered themselves deserving of paradise and declared non-Christians to be deprived of paradise. Quran rejected their belief and announced that Allah, the Almighty, did not make any promise to them in this regard. This research paper, while adopting inferential method, investigates the important question: Will all non-Muslims be in eternal torment? Or are there some exceptions? Will there be any benefit or harm to the disbelievers from the theory of completion of proof? In this paper, it will be clarified whether the decision of the disbelievers will be made keeping in view that the argument (hujjat) has been established or not? This ideology and law of Islam is known "Completion of proof".*

[1.] Corresponding author Email: farhadali07860@gmail.com

C

Content from this work is copyrighted by *Al-'Ulūm* Journal of Islamic Studies, which permits restricted commercial use, research uses only, provided the original author and source are credited in the form of a proper scientific referencing.

انسان کے لیے اس دنیا کی حیثیت دار الامتحان کی ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو آزمانے کے لیے دنیا میں لاتعداد اشیاء کی تخلیق فرمائی اور انسان کے دل میں ان اشیاء کی محبت پیدا فرما کر ان اشیاء کا جائز و ناجائز، صحیح و غلط استعمال بتلا دیا[۱] مزید برآں ان اشیاء کے استعمال کا ایک حد تک آزادانہ اختیار بھی دے دیا۔ اِن میں سے چند اشیاء کا تذکرہ قرآن میں کیا گیا ہے جن کی فطری محبت انسان کے دل میں ڈالی گئی۔[۲] اس فطری محبت کی وجہ سے انسان میں "تملّک" کی صفت پیدا ہوئی اور اس نے اشیاءِ کائنات پر قبضہ جمانا شروع کیا۔ تاریخِ انسانیت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلا انسانی نزاع اور پھر اس نزاع کی وجہ سے پہلا انسانی قتل، عورت پر ملکیت کی وجہ سے ہوا۔[۳]

انسان نے کائنات کی تمام اشیاء پر ملکیت قائم کر لینے کے بعد اخروی نعمتوں پر بھی اپنی اپنی ملکیت کے دعوے قائم کرنے شروع کر دیے جب کہ غیروں کو ان نعمتوں سے محروم قرار دیا۔ قرآن کے مطابق سابقہ مذاہب کے پیروکاروں نے جنت (جو کہ اخروی انعامات کے حصول کی جگہ ہے) پر اپنی ملکیت و اجارہ داری قائم کرنے کی کوشش کی اور غیروں کو اس سے محروم قرار دیا، یہودیوں نے دینِ موسوی کی طرف منسوب انسانیت کو جنت کا حق دار سمجھا اور غیر یہود کے دعویٰ جنت کو لغو قرار دیا۔ نصاریٰ نے اپنے آپ کو جنت کا مستحق ٹھہرایا اور غیر نصاریٰ کو محرومِ جنت قرار دیا۔[۴] قرآن نے ان دونوں کے اس دعوٰی کی تردید کی اور اس کو محض خیالی بیان قرار دیا۔ اس کے برعکس اسلام اخروی نعمتوں میں ان تمام لوگوں کو شامل کرتا ہے جن پر اتمامِ حجت ہوئی اور انہوں نے سرِ تسلیم خم کیا۔ البتہ اتمامِ حجت کے بعد اعراض کرنے والے یا جان بوجھ کر عناد برتنے والے کفار کو نہ صرف نعمتوں سے محروم رکھا جائے گا بلکہ وہ عذابِ جہنم کے بھی مستحق قرار پائیں گے۔

---

۱ - القرآن، ۷۶:۳۔

۲ - القرآن، ۳:۱۰۔

۳ - القرآن، ۵:۲۴۔

۴ - القرآن، ۲:۱۱۱۔

اس تحقیقی مقالہ میں استنباطی منہج اختیار کرتے ہوئے اس بات کی تحقیق کی گئی ہے کہ: کیا تمام غیر مسلم ہمیشہ کے عذاب میں گرفتار رہیں گے؟ یا اس میں کچھ مستثنیات بھی ہیں۔ کیا نظریہ اتمامِ حجت سے کفار کو کوئی فائدہ یا نقصان ہو گا؟

زیر بحث مقالہ میں **"اتمامِ حجت وعدمِ اتمامِ حجت"** کے الوہی قانون کے مطابق اِس جہت کو واضح کیا جائے گا کہ کیا کفار کا فیصلہ اس بات کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے کیا جائے گا کہ حجت قائم ہوئی ہے یا نہیں؟ اسلام کے اس نظریہ و قانون کو "قانونِ اتمامِ حجت" کہا جاتا ہے۔

موضوع سے متعلق مزید تفصیل سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ قانون اتمام حجت سے متعلق کس طرح کا تحقیقی کام پہلے ہو چکا ہے۔ اس سلسلے میں علامہ ابن القیمؒ نے **طریق الهجرتین و باب السعادتین** کی آخری فصل **فصل فی مراتب المکلفین فی الدار الآخرة وطبقاتهم فیها** میں اس موضوع پر عمدہ بحث فرمائی ہے۔ مختلف مفسرین نے اپنی تفاسیر میں اس موضوع پر بھی متعلقہ آیات کے ضمن میں سیر حاصل بحث کی ہے اور اتمام حجت کے اعتبار سے کفار کو منقسم فرمایا ہے۔ عصرِ حاضر میں محترم عرفان شہزاد صاحب نے **"قانونِ اتمامِ حجت اور اس کے اطلاقات؛ نمایاں اعتراضات کا جائزہ"** کے عنوان سے تحقیقی مجلہ **المواردمیں** مقالہ تحریر کیا ہے لیکن اس مقالے میں زیادہ تر تجزیاتی مواد پیش کیا گیا ہے جو کہ علامہ فراہی کی طرف سے پیش کردہ قانونِ اتمامِ حجت کے بارے میں پیدا ہونے والے چند نمایاں سوالات، اعتراضات اور اشکالات پر مبنی ہے اور یہ مقالہ تقسیمِ انسانیت باعتبار اتمامِ حجت وعدمِ اتمامِ حجت اور قوانینِ اتمامِ حجت سے یکسر خالی ہے۔ لہذا یہ ضرورت محسوس کی گئی کہ نظریہ اتمام حجت کی بنیادی اسلامی جہات پر بحث کی جائے اور ساتھ ساتھ قرآن و حدیث سے ماخوذ قواعد وضوابط کو بھی بیان کر دیا جائے۔

اس نظریے کے بارے میں قرآن وحدیث سے دلائل دینے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "حجت" کے لغوی اور اصطلاحی مفہوم سے واقفیت حاصل کر لی جائے۔

حجت کی تعریف

لغوی اعتبار سے "الحُجَّة" کا مادہ "ح، ج، ج" ہے جس کے معنی قصد و ارادہ کے ہیں اور اس کا باب نَصَرَ ہے، "الحُجَّة" کی جمع "حُجَجٌ" ہے اور اس کا مصدر "حِجاج" ہے۔ صاحب **لسان العرب** اس کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

الحَجُّ القصدُ وحَجَجْتُ فلاناً واعتَمَدْتُه أي قصدته[۵]

(حج کے معنی قصد کرنا ہیں، حَجَجْتُ فلاناً کا جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب آپ نے کسی سے ملنے کا ارادہ کیا ہو۔)

علامہ زبیدیؒ نے "الحَجُّ" کے لغوی معنی دلیل اور برہان کے ذریعہ غلبہ پانے کے بیان کیے ہیں اور حدیث کے لفظ "فحَجَّ آدَمُ مُوسَى"[۶] (پس موسیٰؑ نے آدمؑ پر غلبہ پالیا) میں بھی یہ لفظ اسی غلبہ پانے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔[۷]

اصطلاحی طور پر حجت سے مراد دلیل و برہان ہے، یعنی وہ چیز جس کے ذریعہ فریقِ مخالف پر غلبہ پایا جائے، اپنے نظریات کا دفاع کیا جائے، بوقتِ نزاع مدِ مخالف پر کامیابی حاصل کی جائے، اور اپنی بات کو قوی تر بنانے کے لیے جس کا سہارا لیا جائے۔ علامہ ابن منظور افریقیؒ نے حجت کی توضیح یوں فرمائی ہے:

الحُجَّة: البُرْهان وَقِيلَ: الحُجَّة مَا دُوفِعَ بِهِ الْخَصْمُ؛ وَقَالَ الأَزهري: الحُجَّة الْوَجْهُ الَّذِي يَكُونُ بِهِ الظَّفَرُ عِنْدَ الْخُصُومَةِ.

---

۵ - محمد بن مکرم بن علی الافریقی، **لسان العرب** (بیروت: دار صادر، الطبعه الثالثه ۱۴۱۴ھ)، مادہ: ح ج ج، ۲:۲۲۶۔

۶ - محمد بن اسماعیل بن ابراہیم البخاری، **الجامع المسند الصحیح المختصر، کتاب احادیث الانبیاء، باب وفاة موسی** (بیروت: دار الفکر للطباعه والنشر والتوزیع، ۱۹۸۱ء)، ۱:۸۳۸، رقم: ۳۴۰۹۔

۷ - محمد بن محمد بن عبد الرزاق الزبیدی، **تاج العروس** (قاہرہ: دار الھدایہ، ۱۹۶۵ء)، مادہ: ح ج ج، ۵:۴۵۹۔

(حجت، برہان اور دلیل کو کہتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا کہ حجت سے مراد وہ چیز ہے جس کے ذریعہ دشمن سے دفاع کیا جائے، علامہ ازہریؒ نے کہا ہے کہ حجت اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ باہمی نزاعات میں کامیابی حاصل کی جائے)۔[8]

علامہ خلیل نے بھی حجت کے یہی معنی بیان کیے ہیں۔[9]

علامہ قونویؒ حجت کے معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

الحجة البرهان يقال برهن عليه اي اقام الحجة-[10]

(حجت برہان کو کہتے ہیں، اور "برهن عليه" کے معنی ہیں "فلاں نے دلیل قائم کی")

علامہ ابن دریدؒ اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

والمحجة الطريق الواضح و منه الحجة اللتي يحتج بها الانسان-[11]

("المحجة" واضح راستہ کو کہا جاتا ہے اور اسی سے حجت کا لفظ مشتق ہے یعنی وہ دلیل جس سے انسان استدلال کرتا ہے۔)

علامہ جرجانیؒ فرماتے ہیں:

الحجة ما دل به علي صحة الدعویٰ.[12]

(حجت اس دلیل کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعہ دعویٰ کی صحت پر استدلال کیا جائے۔)

ان تمام تعریفات کا حاصل یہ ہے کہ اصطلاح میں حجت سے مراد وہ دلائلِ قدرت ہیں جو اللہ کی خالقیت وربوبیت پر دلالت کرتے ہیں، جن کے ذریعہ معرفتِ صانع ممکن ہوتی ہے، جن کے قائم ہونے سے کافر کے شکوک وشبہات کا زائل ہو جائیں، اس کا جہل ختم ہو جائے اور کفر کا حکم لگانے سے کوئی مانع باقی نہ رہے۔

۸۔ الافریقی، **لسان العرب**، ۲:۲۲۶۔

۹۔ خلیل بن احمد بن عمرو الفراہیدی، **کتاب العین** (مصر: مکتبہ الھلال)، ۳:۱۰۔

۱۰۔ قاسم بن عبداللہ بن امیر علی القونوي، **انیس الفقاء فی تعریف الالفاظ المتداولة** (قاہرہ: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۴ھ)، ۱:۲۳۷۔

۱۱۔ محمد بن الحسن بن درید، **الاشتقاق** (بیروت: دار الجیل، ۱۴۱۱ھ)، ۱:۴۱۔

۱۲۔ علی بن محمد بن علی الجرجانی، **التعریفات** (بیروت: دار الکتب العربی، ۱۴۰۵ھ)، ۱:۱۱۲۔

اسلام کا نظریہ اتمامِ حجت

جس شخص پر حجت قائم نہ ہوئی وہ کفر کے باوجود آخرت کے عذاب سے محفوظ و مامون رہے گا۔ صرف وہی کفار عذاب کی گرفت میں آئیں گے جن پر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کے دلائل واضح ہو چکے ہوں، ان کے تمام شکوک و شبہات کا ازالہ بھی کیا ہو مگر اس کے باوجود وہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر ڈٹے رہے پھر اپنی اسی ضد اور عناد کی وجہ سے حلقہ بگوشِ اسلام بھی نہ ہوئے۔ یہ قانون مندرجہ ذیل آیت سے ثابت ہوتا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولًا﴾[۱۳] (اور ہم عذاب نہیں بھیجتے جب تک رسول نہ بھیج دیں)

عذاب صرف اسی صورت میں ہو گا جب رسول ﷺ کی دعوت پہنچنے کے بعد بھی انکار پایا جائے گا، لہٰذا اگر کسی شخص کو دعوت نہیں پہنچی تو وہ اس آیت کی رُو سے عذاب سے مستثنیٰ ہو گا، دعوت کے پہنچ جانے کو "قیامِ حجت" یا "اتمامِ حجت" کے الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے۔ علامہ بغویؒ (متوفی ۵۱۶ھ) فرماتے ہیں:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولًا إقامة للحجة وقطعا للعذر۔[۱۴]

یعنی انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمانے کی حکمت لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت کو قائم فرمانا اور لوگوں کے عذر خواہی کے دروازہ کو بند کرنا ہے، تاکہ کوئی انسان اللہ کے سامنے یہ عذر نہ پیش کر سکے کہ آپ نے میری طرف اپنا پیغمبر کیوں نہیں بھیجا؟ اگر میری طرف پیغمبر آیا ہوتا تو میں ضرور اس کی دعوت کو قبول کرتا اور نجات یافتہ ہوتا۔ اللہ نے اس عذر خواہی کا سدِّباب انبیاءؑ کو مبعوث فرما کر کر دیا۔

علامہ بیضاویؒ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولًا يبين الحجج ويمهد الشرائع فيلزمهم الحجة۔[۱۵]

۱۳۔ القرآن، ۱۷: ۱۵۔

۱۴۔ حسین بن مسعود البغوی، **معالم التنزیل** (بیروت: دار احیاء التراث العربی، الطبعة الاولی، ۱۴۲۰ھ)، ۳: ۱۲۴۔

۱۵۔ عبداللہ بن عمر بن محمد بیضاوی، **انوار التنزیل واسرار التأویل** (بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۱۸ھ)، ۳: ۲۵۰۔

(اور ہم اس وقت تک عذاب نہیں دیتے جب تک رسول نہ بھیج دیں جو دلائل کو واضح کر دے اور شریعت کی تفصیل بیان کر دے، پس اس رسول سے ان پر حجت لازم ہو جاتی ہے)

یعنی ہم انبیاء کو مبعوث کرتے ہیں جو لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے دلائل کی توضیح و تبیین کرتے ہیں، اللہ کے احکام بیان کرتے ہیں تو لوگوں پر اللہ کی حجت قائم ہو جاتی ہے۔

علامہ سفارینیؒ (متوفی ۱۱۷۷ھ) اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اللہ کی معرفت عقل کی حد سے ماوراء ہے اس کو نظر و فکر اور ترتیبِ مقدمات سے حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ اگر عقول معرفتِ باری تعائیٰ میں مستقل ہوتیں تو محض عقل سے ہی حجت قائم ہو جاتی اور انبیاو رسل علیہم السلام کو مبعوث فرمانے کی ضرورت نہ ہوتی حالاں کہ ایسا نہیں۔[۱۶] اس قسم کی دیگر بہت سی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عذاب صرف اسی کو دیں گے جس کو رسول ﷺ کی دعوت پہنچی ہو گی اور اس پر حجت تام ہو چکی ہو گی۔ ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَكِن كَانُوا هُمُ الظَّالِمِينَ﴾[۱۷]

(اور ہم نے ان پر کچھ ظلم نہ کیا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے)

اس سے یہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ظالم وہی ہے جس کو تعلیمات اسلامیہ کی معرفت ہو جائے یا معرفت کا حصول ممکن ہو مگر پھر بھی وہ انکار کرے۔ جس کو رسول کی خبر ہی نہ ہو اور نہ رسول ﷺ کی معرفت ممکن ہو تو اس کو کیسے ظالم کہا جاسکتا ہے؟ البتہ موجودہ دور میں دنیا کے عالمی گاؤں کی حیثیت اختیار کر لینے اور ذرائع ابلاغ کی کثرت کی وجہ سے دنیا کا شاید ہی کوئی دور افتادہ علاقہ ایسا ہو جہاں کی عوام اسلام سے بالکل ناآشنا ہوں اور ان پر حجت کا قیام نہ ہوا ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی قانونِ اتمامِ حجت کا ذکر موجود ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

۱۶۔ محمد بن احمد بن سالم السفارینی، **لوامع الأنوار البهية وسواطع الأسرار الأثرية** (دمشق: مؤسسة الخافقين ومكتبتها، ۱۴۰۲ھ)، ۱:۱۰۵۔

۱۷۔ القرآن، ۴۳:۷۶۔

اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اس امت کا ہر یہودی یا عیسائی جس نے میری نبوت ورسالت کے متعلق سنا اور پھر اس دین پر ایمان لائے بغیر فوت ہو گیا جو میں لے کر آیا ہوں تو وہ اہل نار میں سے ہو گا۔[۱۸]

اس حدیث میں بھی آخرت کے عذاب کو بلوغِ خبر کے ساتھ معلق کیا گیا ہے گویا جس کو خبر نہ پہنچی وہ مستثنیٰ ہو گا، اور جس کو آپؐ کی نبوت کی خبر پہنچ گئی اس پر حجت تام ہو گئی اور اس کے ایمان نہ لانے کا کوئی عذر باقی نہیں رہا۔ ان آیات واحادیث کی روشنی میں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جس شخص تک قرآنِ مجید پہنچ گیا یا اس کو رسول ﷺ کی خبر پہنچی اور وہ مکلّف بھی تھا نیز حصولِ علم کے ذرائع بھی اس کے پاس موجود تھے یعنی وہ عاقل وبالغ تھا تو اس پر حجت قائم ہو گئی۔ عقل یا نقل کی بنا پر ایمان لانے کا مکلف ہونا اور انہی کی بنا پر حجت کا قائم ہونا اشاعرہ اور ماتریدیہ[۱۹] کے مابین مختلف فیہ ہے، اشاعرہ نقل کی بنا پر ایمان باللہ کے مکلف ہونے کے قائل ہیں جب کہ ماتریدیہ محض عقل کو ہی موجبِ تکلیف قرار دیتے ہیں، لیکن اس مسئلہ میں ماتریدیہ کا آپس میں بھی اختلاف ہے اور ماتریدیہ میں سے بخاریٰ کے فقہاء نے اشاعرہ کی موافقت کی ہے۔ گویا عقل کا مدارِ تکلیف ہونا ماتریدیہ کا اتفاقی قول نہیں ہے۔ اس موافقت کا ذکر ابن عابدینؒ نے فتاویٰ شامی میں کیا ہے۔[۲۰] اس سے معلوم ہوا کہ اشاعرہ کے دلائل کے قوی ہونے کی وجہ سے احناف کے ایک گروہ نے اشاعرہ کی موافقت کی اور عقائد میں ماتریدیہ ہونے کے باوجود اس مسئلہ میں اشاعرہ کے مذہب کو اختیار کیا۔

تقسیم انسانیت باعتبار اتمام حجت وعدم اتمام حجت

اب تک کی تحقیق سے یہ بات وضح ہو گئی ہے کہ اخروی نجات کا انحصار "اتمام حجت" پر ہے، جس شخص پر حجت قائم نہ ہوئی وہ کفر کے باوجود آخرت کے عذاب سے محفوظ ومامون رہے گا۔ البتہ یہ بات غور طلب ہے

۱۸۔ احمد بن محمد بن حنبل، **مسند الإمام أحمد بن حنبل** (قاہرہ: دار الحدیث، ۱۴۱۶ھ)، ۸:۲۳۵، رقم ۸۱۸۸۔

۱۹۔ شیخ ابو الحسن اشعریؒ علم کلام کے ایک امام ہیں جو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی نسل میں سے ہیں، عقائد میں ان کی پیروی کرنے والوں کو اشعریہ کہا جاتا ہے۔ علم کلام کے دوسرے بڑے امام شیخ ابو منصور ماتریدی ہیں اور ان کے پیروکاروں کو ماتریدیہ کہا جاتا ہے۔ دیکھئے: اسماعیل حقی بن مصطفی، روح البیان (بیروت: دار الفکر) ۷:۳۶۔

۲۰۔ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز الشامی، **رد المختار على الدر المختار** (بیروت: دار الفکر، ۱۴۲۱ھ)، ۳:۱۸۵۔

کہ کیا تمام کفار پر اللہ کی وحدانیت کے دلائل کا اس درجہ وضوح ہوا ہے کہ ان پر حجت قائم اور تام ہوئی؟ یا کچھ کفار ایسے بھی ہیں جن پر ابھی تک حقیقت منکشف نہیں ہوئی اور وہ جہل میں مبتلا ہیں؟ جس کا ظاہری نتیجہ یہ ہے کہ اگر تمام کفار پر حجت قائم ہوئی ہے تو تمام کفار اہلِ جہنم کہلائیں گے اور اگر تمام کفار پر حجت قائم نہیں ہوئی تو سب کفار کے معذب فی النار ہونے کا نظریہ درست قرار نہیں پائے گا۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف یہ کہ مفسرین نے قیامِ حجت وعدمِ قیامِ حجت کے اعتبار سے انسانیت کی تقسیم فرمائی بلکہ خود اللہ نے انسانوں کی تقسیم فرمائی ہے اور کافر ہونے کے باوجود ان کو مختلف درجات میں رکھا ہے، قرآن مجید کی پہلی سورت میں ہی اللہ نے قیامِ حجت وعدمِ قیامِ حجت کے اعتبار سے نا فرمان انسانیت کی تقسیم فرمادی ہے کہ ایک قسم کے نافرمان "الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ" ہیں جب کہ دوسری قسم کے نافرمان "الضَّالِّينَ" ہیں۔

"مغضوب علیھم" سے وہ کفار مراد ہیں جو علم ہونے کے باوجود اطاعتِ حق سے نکل گئے، ان کو اللہ کی شریعت ودین پہنچا لیکن انہوں نے اس شریعت ودین کو قبول نہیں کیا، دلائل سے اعراض کیا اور اپنے آباء واجداد کی تقلید پر موقوف رہے، نیز اپنی خواہشاتِ نفس پر معتکف رہے اور جو مخترعات واقوال وراثت میں ان تک پہنچے انہی پر راضی رہے خلاصہ یہ کہ ان پر حجت تام ہو چکی ہے۔

"الضَّالِّينَ" سے وہ کفار مراد ہیں جنہوں نے حق کو بالکل بھی نہیں پایا، یا اگر حق کو پایا تو غیر صحیح اور مبہم طور پر پایا کہ جس کی وجہ سے ان کے قلب میں اس حق کو قبول کرنے اور اس حق پر عمل کرنے کا داعیہ پیدا نہیں ہوا۔ اس بات میں کوئی شک نہیں "الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ" بھی "الضَّالِّينَ" ہیں اس لئے کہ جب انہوں نے حق کو پسِ پشت ڈال دیا اور جادۃ الطریق سے منہ پھیر لیا تو کسی بھی صورت منزلِ مقصودہ تک نہیں پہنچ پائیں گے، لیکن دونوں میں فرق ہے۔ ایک گروہ تو وہ ہے جس نے حق کو پہچان لیا اور پھر اس سے اعراض کیا، اور دوسرا گروہ وہ ہے کہ جس کے لئے حق کا ظہور نہیں ہوا اور وہ راستوں میں بھٹک رہا ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کو دعوت نہیں پہنچی یا ایسے طور پر پہنچی کہ جس میں اتمامِ حجت کی شرائط پوری نہیں تھیں جن کی وجہ سے

حق واضح نہیں ہوا۔"الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ" اور "الضَّالِّينَ" کفار کے درمیان مندرجہ بالا فرق کی تصریح علامہ ابن قیمؒ نے فرمائی ہے۔[۲۱]

اس تقسیم کے علاوہ متعدد مفسرین نے مختلف آیاتِ قرآنیہ کی تفسیر میں اتمامِ حجت کے اعتبار سے انسانوں کو تقسیم فرمایا، اور پھر ان کا حکم بھی بیان فرمایا کہ کن پر حجت قائم ہوئی ہے اور وہ مستحقِ عذاب ہیں اور کون سی اقسام عذاب سے مستثنیٰ ہیں، ذیل میں چند تقسیمات پیش کی جاتی ہیں۔

امام غزالیؒ کی بیان کردہ تقسیم

امام غزالیؒ نے انجامِ اخروی کے اعتبار سے انسانوں کی چار اصناف بیان فرمائی ہیں اور ایسے تمام افراد کو عذاب سے مستثنیٰ قرار دیا جن پر حجت قائم نہیں ہوئی اور اُن تک دعوت نہیں پہنچی۔ قسم اول کے افراد کو امام غزالیؒ نے "ہالکین" قرار دیا، یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی ذات کا انکار اور اللہ کے انبیاءؑ و رُسلؑ کی تکذیب کرنے والے ہیں۔ ان کا جرم انکار و اعراض ہے۔ دوسری قسم کے افراد کو امام صاحبؒ نے "معذبین" قرار دیا، اس طبقہ میں وہ لوگ ہیں جو ایمان تو لائے مگر ایمان کے تقاضوں پر عمل پیرا ہونے میں ان سے کوتاہی ہو گئی اور گناہوں کے مرتکب ہو گئے۔ یہ افراد بالآخر عذاب سے چھٹکارا پا لیں گے۔

تیسری قسم میں وہ افراد ہیں جن کی طرف سے اللہ کی ذات کا اقرار پایا گیا نہ انکار۔ انہوں نے اللہ کی اطاعت کی نہ نافرمانی۔ ان کے پاس اللہ کے قرب کو کوئی وسیلہ ہے نہ ان کے نامہ اعمال میں ایسی جنایت جو ان کو اللہ سے دور کرے۔ امام غزالیؒ نے ان کو "ناجین" یعنی عذاب سے نجات یافتہ طبقہ قرار دیا ہے۔ اس جماعت میں پاگل، کفار کی اولاد اور وہ افراد شامل ہیں جن کو اسلام کی دعوت ہی نہیں پہنچی۔ چوتھا طبقہ فوز و فلاح پانے والوں کا ہے، یہ طبقہ اللہ کے مقربین اور سابقین کا ہے۔ امام غزالیؒ نے اس طبقہ کے افراد کو "فائزین" کے نام سے موسوم کیا۔[۲۲]

۲۱۔ محمد بن ابی بکر بن ایوب ابن قیم، **هداية الحيارى فى اجوبة اليهود والنصارىٰ** (السعودیہ: دار القلم، ۱۴۱۶ھ)، ۱: ۲۲۷۔

۲۲۔ محمد بن محمد الغزالی، **احياء علوم الدين** (بیروت: دار ابن حزم، ۲۰۰۵م)، ۱۳۵۹۔

صاحبِ تفسیر المنار کی بیان کردہ تقسیم

صاحبِ تفسیر المنار (متوفی ۱۳۵۴ھ) نے انسانیت کی باعتبار اتمامِ حجت وعدمِ اتمامِ حجت عمدہ تقسیم فرمائی ہے ان کے نزدیک حجت کا قائم اور تام ہونا اس بات پر منحصر ہے کہ کسی شخص پر حق کا وضوح کس درجہ کے دلائل سے ہوتا ہے، یہ دلائل اقسام وانواع کے ہیں، کچھ دلائل تو ایسے ہیں جو حجت قائم کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں جب کہ بعض دلائل ایسے بھی ہیں جو اس سے کم درجہ ہیں اور ان سے حجت قائم نہیں ہوتی، کچھ قطعی ویقینی ہیں اور کچھ ظنی۔ نیز کفار کی کچھ اقسام ایسی بھی ہیں جن پر حق منکشف ہی نہیں ہوا، حق منکشف نہ ہونے کی متعدد وجوہات ہو سکتی ہیں مثلاً آباء واجداد کی اندھی تقلید، یا دلائل میں عدمِ غور وفکر وغیرہ۔ آپ نے مندرجہ ذیل آیت کی تفسیر میں اس تقسیم کو ذکر فرمایا ہے۔[۲۳]

﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾[۲۴]

(اور جو شخص راہِ ہدایت واضح ہو جانے کے بعد رسول کی نافرمانی کرے اور مومنوں کے خلاف راہ چلے تو جس طرف اس نے رخ کیا ہم اسی طرف اس کو پھیر دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے)

اس آیت میں اللہ نے ان لوگوں کا حال ذکر فرمایا ہے جو ہدایت واضح ہونے کے بعد بھی عداوتِ رسول ﷺ پر کمربستہ رہے اور آپ ﷺ کے ذریعہ اقامتِ حجت اور ظہورِ ہدایت کے بعد گمراہی پر ڈٹے رہے۔ البتہ جن لوگوں پر حجت قائم نہیں ہوئی نیز اُن کے حق میں ظہورِ ہدایت نہیں پائی گئی تو وہ اس وعید کے مستحق نہیں ہوں گے۔ اسی طرح جس شخص نے دلائلِ قدرت میں غور وفکر کیا لیکن اس پر حق واضح اور ظاہر نہیں ہوا اور وہ مسلسل تلاشِ حق میں رہا اور اخلاص کے ساتھ ہدایت کی جستجو کرتا رہا تو وہ ان لوگوں کی طرح معذور تصور کیا جائے گا جن کو دعوت نہیں پہنچی۔ اتباعِ ھدیٰ اور ترکِ ھُدیٰ کے اعتبار سے انسان چند درجات میں منقسم ہیں۔

۲۳۔ محمد رشید بن علي رضا بن محمد شمس الدين، الحسيني، **تفسير القرآن الحكيم** (مصر: الهيئة المصرية العامة للكتاب، ۱۹۹۰م)، ۵:۳۳۶۔

۲۴۔ القرآن، ۴:۱۱۵۔

۱. پہلی قسم میں وہ انسان ہیں جن کے لیے ہدایت مکمل اور صحیح طور پر ظاہر ہوئی۔ اور حق ان پر اس طرح واضح ہوا کہ انہیں حق الیقین کا درجہ حاصل ہو گیا۔ یہ افراد ہدایت واضح ہو جانے کے بعد اعتقادی طور پر ہدایت سے رجوع نہیں کرتے البتہ کبھی کبھار عملی طور ہدایت سے رجوع پایا جانا ممکن ہے۔

۲. دوسری قسم میں ایسے افراد ہیں جن کے لئے ہدایت کا وضوح عام دلائل کے ذریعہ ہوا اور کسی ایسی برہانِ قطعی (یقینی دلیل) سے ہدایت کا وضوح نہ ہوا جو بدیہی امور سے مرکب ہو۔ ان لوگوں کو بھی جب ہدایت کا علم ہو جاتا ہے تو یہ ہدایت سے منہ نہیں پھیرتے، بلکہ ہدایت کو قبول کر لیتے ہیں۔

۳. تیسری قسم ان افراد کی ہے جنہوں نے اپنے معتمدین ورؤساء کی پیروی اور اپنے آباء واجداد کی اتباع میں ہدایت کو اختیار کیا اور پھر آباء واجداد کے کہنے پر راہِ ہدایت ترک کر دی۔ ان کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان پر حق واضح ہوا، کیوں کہ اگر ان پر ہدایت کی مکمل واضح ہوتی تو یہ لوگ اپنے آباء واجداد کے کہنے پر ہدایت کے تارک نہ بنتے۔

۴. چوتھی قسم میں اہلِ کتاب کے وہ پیروکار شامل ہیں جنہوں نے اپنے گمراہ مذہبی پیشواؤں کی اتباع و تقلید میں راہِ ہدایت کی پیروی نہیں کی۔ جب انہیں ہدایت کی دعوت پہنچی تو انہوں نے اس دعوتِ حق میں غور وفکر ہی نہیں کیا، کیوں کہ ان کے مذہبی راہنماؤں نے اِن کو یہ بات سکھادی تھی کہ اللہ نے ان جیسے افراد پر غور وفکر کو حرام اور اہلِ اجتہاد کی تقلید کو فرض کیا ہے۔

۵. پانچویں قسم کے افراد اپنے مشرک آباء واجداد کی تعظیم واحترام میں غرق ہونے کی وجہ سے ہدایت کے تارک ہیں۔ ان کو یہ بات بعید معلوم ہوتی ہے کہ انہی میں سے کسی شخص کی طرف وحی آجائے۔ ظہورِ اسلام کے وقت عام عرب کی یہی حالت تھی۔ البتہ ان کے اور ان سے پہلی قسم کے متبعینِ اہلِ کتاب میں فرق یہ ہے کہ عام عرب کی اپنے آباء وجداد کی تقلید بنسبت اہلِ کتاب کے کمزور تھی اور اسی کمزور اتباع و تقلید کی وجہ سے اسلام مشرکین میں بنسبت اہلِ کتاب زیادہ پھیلا جب کہ اہلِ کتاب اپنے آباء واجداد کی اتباع و تقلید میں پختہ تھے تو ان میں اسلام کم پھیلا۔

۶. چھٹی قسم میں ادیانِ باطلہ کے وہ علماء ہیں جو اپنے ناقص علم پر مغرور ہیں، جب ان کو ہدایت کی طرف بلایا گیا تو انہوں نے اپنے باطل دین سے منہ نہ پھیرا اور اپنے سلاطین کی اتباع میں منہمک رہے۔ صاحبِ منار کی رائے میں یہ لوگ بھی عوام کی طرح مقلد ہیں۔

۷. ساتویں قسم ان افراد کی ہے جن کو ہدایت تو پہنچی لیکن صحیح طور پر نہیں پہنچی۔ اس دعوت و تبلیغ نے ان کے اندر غور و فکر کا داعیہ پیدا نہیں کیا اور انہوں نے تامّل نہیں کیا کیوں کہ انہوں نے اس کو سرے سے ہی باطل سمجھا۔ آج کل کے اکثر کفار اسی قسم میں شامل ہیں۔

۸. آٹھویں قسم میں ایسے لوگ ہیں جن کو دینِ اسلام کی دعوت صحیح یا غلط طور پر پہنچی۔ اور انہوں نے دلائل میں اخلاص کے ساتھ غور و فکر بھی کیا لیکن حقیقت ان پر منکشف نہیں ہوئی اور ہدایت کا راستہ نہیں کھلا لہٰذا انہوں نے مزید غور و فکر ترک کر دیا۔

۹. نویں قسم میں وہ اہلِ استقلال ہیں جو غور و فکر ترک نہیں کرتے، اگر پہلی مرتبہ حق واضح نہیں ہوا تو تتبع و تلاش اور جستجو میں لگے رہتے ہیں اور بار بار غور و فکر کرتے رہتے ہیں اور اسی تلاش و جستجو میں ان کی زندگی تمام ہو جاتی ہے۔

۱۰. دسویں قسم میں وہ افراد ہیں جن کو دعوتِ حق و ہدایت بالکل بھی نہیں پہنچی۔ ان کو اہل الفترہ کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اشاعرہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ نجات یافتہ و منجی ہیں۔

صاحبِ تفسیر المنار کی رائے کے مطابق ان میں سے سوائے پہلی دو اصناف کے کسی پر بھی یہ صادق نہیں آتا کہ ان پر حجت تام ہوئی، پہلی دو اقسام پر ہی حجت کا اتمام ہوا ہے۔ لہٰذا اگر ان اولین دو اصناف کے افراد میں سے کوئی آپؐ کی حیاتِ طیبہ میں مخالفت اختیار کرتا ہے یا آپؐ کی رحلت کے بعد مخالفت پر کمربستہ ہوتا ہے اور مؤمنین اہلِ ہدیٰ کا راستہ ترک کرتا ہے تو ان کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ [25]

(جس طرف اس نے رخ کیا ہم اسی طرف اس کو پھیر دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے)

---

[25] - القرآن، ۴:۱۱۵۔

علامہ شربینیؒ کی بیان کردہ تقسیم

علامہ شربینیؒ نے اہل الفترہ کی باعتبار اتمام حجت وعدمِ اتمام حجت عمدہ تقسیم کی اور اس اعتبار سے ان کا اخروی انجام بیان کیا ہے، ان کی بیان کردہ تقسیم کے مطابق اہل الفترہ کی کل تیرہ قسمیں ہیں، جن میں سے چھ سعید ہیں، چار شقی ہیں اور تین اللہ کی مشیت ومرضی کے تحت ہیں۔[۲۶]

سعادت مند لوگوں کی چھ قسمیں مندرجہ ذیل ہیں۔

۱. وہ لوگ جنھوں نے اللہ کی توحید اور معرفتِ خالقیت کا اقرار اُس نور کی وجہ سے کر لیا جو ان کے دل میں پایا جارہا تھا جیسے کہ "قس بن ساعدہ"[۲۷] جب ان سے سوال کیا جاتا کہ کیا اس عالم کا کوئی الٰہ ہے تو یہ جواباً کہتے:

البعرة تدل على البعير، واثر الاقدام تدل على المسير

(راستے میں پڑی ہوئی مینگنی اس بات پہ دلالت کرتی ہے کہ یہاں سے بکریوں کا گذر ہوا ہے، اور نشاناتِ قدم اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ اس مقام سے کسی کا گذر ہوا ہے) تو اتنا بڑا جہاں صانع وکارساز کا علم کیوں نہ دے گا؟

۲. وہ لوگ جو نور کی اس تجلی کی وجہ سے اللہ کی توحید کے قائل ہوئے جس کے دور کرنے پر وہ قادر نہیں تھے اور اس تجلی کی وجہ سے ایمان لے آئے۔

۳. وہ لوگ جنھوں نے بذریعہ کشف آپؐ کی منزلت ومنقبت کو پہچانا اور عالمِ غیب میں ہی آپؐ پر ایمان لائے۔

۴. جنھوں نے (بعثتِ نبوی سے قبل) پہلے دینِ حق کی اتباع کی۔

۵. وہ لوگ جنھوں نے سابقہ انبیاء کی کتب کا مطالعہ کیا اور آپؐ کی فضیلت کے قائل ہوگئے اور ایمان لے آئے۔

۶. جو لوگ اپنے نبیِ مبعوث پر ایمان لائے اور آپؐ کا زمانۂ نبوت بھی پایا اور ایمان بھی لائے تو ان کے لیے دوہرا اجر ہے۔

---

[۲۶] - محمد بن احمد الخطیب، الشربینی، **السراج المنير في الاعانة على معرفة بعض معاني كلامِ ربنا الحكيم الخبير** (قاہرۃ: مطبع بولاق، ۱۲۸۵ھ)، ۲:۲۸۹۔

[۲۷]- عرب کے مشہور شاعر اور خطیب تھے، خطبات میں عصا پر تکیہ لگانے کی خطیبانہ روایت کے موجد ہیں۔ انہوں نے آپ ﷺ کا قبل از نبوت زمانہ پایا تھا۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: الوافی بالوفیات، (بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۲۰ھ) ۲۴:۱۸۰

اشقیاء کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں۔

اً. وہ لوگ جنہوں نے محض تقلیداً شرک اختیار کیا۔

ب. وہ لوگ جنہوں نے حق کو جانا اور ضد و عناد کی وجہ سے حق کی مخالفت کی۔

ت. وہ لوگ جنہوں نے سرے سے کوئی عقیدہ ہی قائم نہیں کیا محض تقلیداً۔

ث. وہ لوگ جنہوں نے کامل غور و فکر نہ کرنے کی وجہ سے کوئی عقیدہ قائم نہیں کیا۔

اور جو لوگ اللہ کی مشیت کے تحت ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

i. وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے وجود کا اقرار نہیں کیا اور اس کی وجہ ان کے مزاج اور ان کی ذہنی صلاحیتوں کا کمزور ہونا تھا۔

ii. وہ لوگ جنہوں نے غور و فکر تو کیا لیکن اس غور و فکر میں ان سے غلطی ہو گئی اور وہ معرفتِ باری حاصل نہ کر پائے اور شرک میں مبتلا ہو گئے۔

iii. وہ لوگ جنہوں نے حق کی تلاش و جستجو شروع کی اور بعد میں فہمِ ناتمام کی وجہ سے اس تلاش و جستجو سے منہ پھیر لیا۔

علامہ احمد بن مصطفیٰ المراغی کی بیان کردہ تقسیم

﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾[۲۸]

(اور جو شخص ہدایت واضح ہو جانے کے بعد رسول کی نافرمانی کرے گا اور مومنوں کے خلاف راہ چلے گا تو جس طرف اس نے رخ کیا ہم اسی طرف اس کو پھیر دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے

علامہ احمد (متوفی ۱۳۷۱ھ) نے مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں قانونِ اتمامِ حجت کی وضاحت فرمائی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ آیت میں ذکر کردہ عذاب کی اس وعید کے لیے یہ شرط ہے کہ ہدایت واضح ہو چکی ہو لہٰذا جس شخص پر

---

[۲۸] - القرآن، ۴:۱۱۵۔

ہدایت واضح نہیں ہوئی وہ اس وعید کا مستحق نہیں ہوگا اور ایسے لوگ تین قسم کے ہیں جن پر ہدایت واضح نہیں ہو سکی۔[۲۹]

۱. جس نے دلائل میں غور و فکر کیا لیکن حق واضح نہیں ہوا اس کے باوجود مسلسل حق کی جستجو میں رہا اور اخلاص کے ساتھ تتبع و تلاش کرتا رہا۔ یہ شخص معذور ہے اور اس سے مؤاخذہ نہیں کیا جائے گا۔

۲. جن کو دعوت نہیں پہنچی یا پہنچی تو سہی لیکن مبہم اور غیر واضح، جیسے آج کل کے یورپین ممالک کے باشندوں کی اکثریت کا حال ہے تو ان کا حکم بھی پہلی قسم کے لوگوں کی طرح ہو گا۔

۳. وہ لوگ جنہوں نے اپنے آباؤ اجداد اور اپنے قابلِ اعتماد علما کی اتباع و تقلید میں ہدایت کی پیروی کی۔ ان لوگوں کے متعلق بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان پر ہدایت واضح ہوئی اسی وجہ سے یہ لوگ ہدایت کو چھوڑ کر ان بدعات و ضلالات کی طرف چل پڑتے ہیں جن کی طرف ان کے پیشوا اور راہنما ان کو چلاتے ہیں، اگر ان پر ہدایت کا مکمل وضوح ہوا ہوتا تو بدعات و رسومات میں اپنے آباؤ اجداد کی پیروی نہ کرتے بلکہ صراط مستقیم پر کاربند رہتے۔

ان تمام مفسرین کی تقسیمات سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ کسی مفسر نے بھی علی الاطلاق جمیع کفار کو جہنمی قرار نہیں دیا بلکہ مختلف طرق سے انسانیت کی تقسیم کی اور اس کے نتیجہ میں جن کفار پر ہدایت واضح نہیں ہوئی ان کو اللہ کے عذاب سے مستثنٰی قرار دیا۔ نیز ان تقسیمات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آخرت کی نجات کا مدار محض ایمان و عمل صالح نہیں ہے جیسا کہ ایک عام خیال ہے کیونکہ ان کفار کو ایمان و عملِ صالح کے بغیر نجات یافتہ قرار دیا گیا ہے۔

قواعدِ اتمامِ حجت

مندرجہ بالا بحث کے دوران جن اسلامی مصادر سے راہنمائی لی گئی ہے اُن سے اتمامِ حجت کے کچھ اصول و قواعد ثابت ہوتے ہیں جب تک ان اصول و قواعد کو مدِ نظر نہ رکھا جائے کسی شخص پر حجت تام ہونے کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ ذیل میں ان اصول و قواعد کو بیان کیا جاتا ہے۔

۲۹۔ احمد بن مصطفٰی مراغی، **تفسیر المراغی** (مصر: مكتبة مصطفى البابى الحلبى، ۱۳۶۵ھ)، ۵:۱۵۵۔

قاعدہ نمبر ۱

ہر انسان پر اس کے حالات کے مطابق حکم لگایا جائے گا کہ یہ معذور ہے یا اس پر حجت تام ہو چکی ہے۔اس اعتبار سے انسانوں کی چند اقسام ہیں۔

(الف) وہ شخص جو حصولِ علم اور معرفتِ حق پر قادر ہے لیکن اس کے باوجود وہ اعراض کرتا ہے تو ایسا شخص اللہ کے نزدیک مجرم سمجھا جائے گا،اس لیے کہ اعراض کرکے مجرم ہو گیا ہے۔

(ب) جو شخص ہدایت کا متمنی ہے لیکن حصولِ ہدایت کے ذرائع پر قادر نہیں، اور نہ ہی کوئی ایسا شخص موجود ہے جو اس کی ہدایت کی طرف راہنمائی کرے تو اس کا حکم اہل الفترہ کے حکم جیسا ہو گا۔

(ج) جو شخص اپنے کفر پر مطمئن ہو، ایمان و ہدایت کی طلب و جستجو ہی نہ رکھتا ہو نیز معرفتِ حق کے اسباب میسر آجانے کی صورت میں بھی اپنے کفریہ عقائد پر کاربند رہنے والا ہو تو ایسے شخص کے کفر اور سابقہ قسم (ب) کے کفر میں فرق ملحوظ رکھنا ضروری ہو گا کیوں کہ یہ ایسا کافر ہے جو ہدایت سے اعراض کرنے والا ہے جب کہ قسم سابق کا کافر ہدایت کا متمنی و طلب گار ہے۔علامہ ابن قیمؒ نے کفر کی یہ تین اقسام بیان کیں۔پہلی اور تیسری قسم کے کفر کو مستوجبِ عذاب قرار دیا جب کہ دوسری قسم کے کفر کو اہلِ فترہ کے ساتھ لاحق فرمایا۔[۳۰]

قاعدہ نمبر ۲

علامہ ابن القیمؒ کا وضع کردہ ایک اصول یہ ہے کہ کسی معین شخص کے بارے میں یہ کہنا کہ اس پر حجت قائم ہو چکی ہے اس کا فیصلہ کرنا انسان کے بس کی بات نہیں یہ اس کا اور اس کے رب کا معاملہ ہے، کیوں کہ ہر انسان اللہ سے غور و فکر کی الگ استعداد و صلاحیت لے کر دنیا میں آیا ہے اور اس بات کا علم اللہ ہی کے پاس ہے کہ اس نے کسی انسان کو کس قدر ذہنی صلاحیتوں سے نوازا ہے لہٰذا ہمیں صرف یہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ جس شخص نے دینِ اسلام کے علاوہ دوسرا دین اختیار کیا وہ کافر ہے لیکن اللہ کسی کو اتمامِ حجت کے بغیر عذاب میں گرفتار نہیں فرماتے۔[۳۱]

---

۳۰ - ابن قیم،**طریق الهجرتین و باب السعادتین**،۱:۴۱۲۔

۳۱ - نفس مرجع،۱:۴۱۳۔

قاعدہ نمبر۳

چونکہ اقامتِ حجت سے اصل مقصود "رفع جہل" اور خطاب شرعی کا ایسے طور پر پہنچانا ہے کہ اس کے منکر کو کافر قرار دینا ممکن ہو لہٰذا اس حجت کے لیے ضروری ہے کہ توضیح وتبیین، کامل اور شکوک وشبہات کا ازالہ کرنے میں اعلیٰ درجہ کی ہو۔

علامہ ابن تیمیہؒ اس قاعدہ کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

فَلَوْ كَانَ غَيْرَ عَرَبِيٍّ وَجَبَ أَنْ يُتَرْجَمَ لَهُ مَا يَقُومُ بِهِ عَلَيْهِ الْحُجَّةُوَلَوْ كَانَ عَرَبِيًّا – وَفِي الْقُرْآنِ أَلْفَاظٌ غَرِيبَةٌ لَيْسَتْ لُغَتَهُ، وَجَبَ أَنْ يُبَيِّنَ لَهُ مَعْنَاهَا، وَلَوْ سَمِعَ اللَّفْظَ كَمَا يَسْمَعُهُ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ، وَلَمْ يَفْقَهِ الْمَعْنَى وَطَلَبَ مِنَّا أَنْ نُفَسِّرَهُ لَهُ وَنُبَيِّنَ لَهُ مَعْنَاهُ،فَعَلَيْنَا ذَلِكَ۔[۳۲]

(پس اگر کوئی شخص غیر عربی ہو تو اس کے لیے ایسا ترجمہ کرنا ضروری ہے جس سے اس پر حجت قائم ہو اور اگر عربی شخص ہو لیکن قرآن میں ایسے غریب الفاظ ہوں جو اس شخص کی لغت سے نہ ہوں تو حجت تام ہونے کے لیے اُن الفاظ کے معانی واضح کرنا بھی ضروری ہوگا اور اگر عام انسانوں کی طرح کوئی لفظ سنا لیکن اس کا معنی نہ سمجھا اور ہم سے اس کی تفسیر و توضیح کا طلبگار ہوا تو یہ تفسیر و توضیح ہم پر واجب ہو جائے گی)

قاعدہ نمبر۴

مسائل دو طرح کے ہیں: مسائلِ ظاہرہ و مسائلِ خفیہ۔ امام شافعیؒ (متوفی ۲۰۴ھ) نے اپنی کتاب "الرسالہ" میں مسائلِ ظاہرہ و خفیہ کو بالترتیب "علمِ عام" اور "علمِ خاص" کا نام دیا ہے۔[۳۳] مسائلِ ظاہرہ میں اتمامِ حجت کے لیے صرف دلیل کا پہنچ جانا کافی ہے جب کہ مسائلِ خفیہ میں اتمامِ حجت کے لیے اس حجت کو

---

۳۲ - احمد بن عبد الحلیم بن تیمیہ، **الجواب الصحيح لمن بدل دين المسيح** (السعودیہ: دار العاصمة، ۱۴۱۹ھ)، ۱:۲۲۲۔

۳۳ - محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان الشافعی، **الرسالة** (مصر: مکتبہ الحلبی، الطبعہ الاولي ۱۳۵۸ھ)، ۱:۳۵۷

سمجھنا ضروری ہو گا۔ اور مسائل کا خفی ہونا امورِ نسبیہ میں سے ہے جو لوگوں کے احوال کے اعتبار سے مختلف ہو سکتا ہے لہٰذا لوگوں کے مختلف احوال کو مدِّ نظر رکھنا بھی ضروری ہو گا۔[۳۴]

قاعدہ نمبر ۵

کسی شخص پر حجت قائم ہو جانے کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ تمام معاملات میں اس پر حجت قائم ہو چکی ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس حکمِ شرعی کی دلیل کا مخاطب پر مکمل وضوح ہوا ہے اسی حکمِ شرعی کی حد تک حجت قائم ہو گئی۔ لہٰذا یہ بھی ممکن ہے کہ ایک شخص پر بعض معاملات میں حجت تام ہو جائے اور بعض دیگر معاملات میں تام نہ ہو۔ جتنا کسی شخص کو قرآن پہنچے گا اتنی ہی حجت تام ہو گی یہ ضروری نہیں کہ جب حجت تام ہو تو تمام معاملات میں تام ہو جائے۔ یہ اصول شیخ ابن تیمیہؒ نے وضع کیا ہے۔[۳۵]

قاعدہ نمبر ۶

"فطرتِ انسانیہ" یا "عہدِ الست" سے بندوں پر اگرچہ حجت قائم ہو جاتی ہے لیکن یہ حجت عذاب جاری کرنے کے لئے کافی نہیں۔ جب تک خود رسولؐ یا پیغامِ رسالت نہ پہنچے اللہ کسی کو عذاب میں مبتلا نہیں فرماتے۔ علامہ ابن القیمؒ نے عذاب کا مستوجب ہونے کے لیے انبیاءؑ کے ذریعہ حجت قائم و تام ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔ ان کے الفاظ ہیں:

أن الله سبحانه وتعالى لا يعذب أحداً إلا بعد قيام الحجة عليه بالرسول.[۳۶]

(اور اللہ کسی کو عذاب نہیں دیتا مگر رسولؐ کے ذریعہ حجت قائم ہو جانے کے بعد)

علامہ سید قطب شہیدؒ اس کی تائید میں لکھتے ہیں کہ "عہدِ الست" سے انبیاءؑ کو مبعوث فرمائے بغیر بھی حجت قائم ہو چکی تھی لیکن اللہ کی رحمت نے تقاضہ کیا کہ انبیاءؑ و رُسل کو مبعوث فرمایا جائے تا کہ انبیاءؑ کی بعثت کے باوجود ایمان نہ لانے والوں کے پاس کوئی عذر باقی نہ رہے۔[۳۷]

---

۳۴ - نفس مصدر۔

۳۵ - نفس مصدر، ۲:۳۰۱

۳۶ - ابن قیم، **طريق الهجرتين وباب السعادتين**، ۱:۴۱۳۔

۳۷ - سید قطب ابراہیم حسین، **في ظلال القرآن** (بیروت: دار الشروق، ۱۴۱۲ھ)، ۳:۱۳۹۱۔

خلاصہ بحث

مذکورہ بالا قواعد سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ

- اسلام نے نجاتِ اُخروی کے لیے "اتمامِ حجت" کا قانون متعارف کرایا ہے جس کا لبِ لُباب یہ ہے کہ آخرت کے عذاب میں وہی لوگ گرفتار ہوں گے جن کی طرف سے اللہ کی وحدانیت کے دلائل کا مکمل وضوح ہو جانے کے بعد بھی کفرِ اعراض یا کفرِ عناد پایا جائے گا۔ ان کے علاوہ دیگر کفار عذابِ اُخروی سے مستثنیٰ ہوں گے۔
- نظریہ اتمام حجت سے مراد ہے کہ مخاطب پر اللہ کی وحدانیت اور محمد ﷺ کی نبوت ورسالت کے دلائل اس طرح وضاحت کے ساتھ سامنے آجائیں کہ اس بابت ذہن میں کوئی شک باقی نہ رہے۔
- قرآن و حدیث کی رُو سے آخرت میں قبولِ حق سے متعلق مؤاخذے کے لیے اتمام حجت ہونا ضروری ہے۔ استنباطی منہج اختیار کرنے سے یہ تحقیق اس بات پر منتج ہوتی ہے کہ اخروی نجات کا انحصار "اتمام حجت" پر ہے۔
- اس قانون سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کسی متعین شخص کی بابت اتمام حجت کی رائے اختیار کرنا انسانی حدود سے ماوراء ہے یہ انسان اور اللہ کا ذاتی معاملہ ہے جس میں دیگر انسانوں کی مداخلت کی گنجائش نہیں ہے اس لیے کہ یہ بات اللہ ہی بہتر جانتے ہیں کہ کوئی انسان اللہ کی طرف سے کتنی عقل وخرد لے کر آیا ہے اور عقل وخرد کی اس مقدار پر کب اتمامِ حجت کا حکم مرتب ہوتا ہے۔
- اس قانون کی رُو سے اس بات کا بھی امکان ہے کہ کسی انسان پر جزوی اتمامِ حجت ہو اور دیگر معاملات میں اسی انسان پر اتمامِ حجت نہ ہوا ہو۔ ایسے انسان کو صرف اُن امور کے انکار کی وجہ سے عذاب دیا جانا ممکن ہے جن امور کی حجت تام ہو چکی ہو گی دیگر امور کی بابت یہ انسان عذاب سے مستثنیٰ رہے گا۔
- "عہدِ الست" بندوں پر عذاب جاری کرنے کے لئے کافی نہیں جب تک پیغامِ رسالت یا رسول ﷺ نہ پہنچے تو حجت قائم نہیں ہوتی۔

نتائج بحث

- اصطلاحی طور پر حجت سے مقصود ایسی دلیل ہے جس کے قائم ہونے سے کافر کے شکوک وشبہات کا ازالہ ہو جائے اور اس کا جہل ختم ہو جائے اور کفر کا حکم لگانے سے کوئی مانع باقی نہ رہے۔
- تمام کفار علی الاطلاق جہنمی نہیں ہیں، بلکہ جس کافر پر حجت قائم ہوئی ہو گی وہ تو جہنمی کہلائے گا، لیکن جس پر حجت تام نہ ہوئی وہ مستثنیٰ ہو گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتے جب تک حجت قائم نہ ہو جائے۔
- جس کافر پر دلائل کا جس قدر وضوح ہوا ہو گا، انکار کی صورت میں اسی قدر عذاب کا مستحق ٹھہرے گا، لہٰذا یہ ضروری نہیں ہے کہ تمام کفار کا عذاب ایک ہی جیسا ہو اس لئے کہ ذہنی صلاحیت اور استعداد میں فرق ایک بدیہی امر ہے۔
- کسی متعین شخص کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا کہ اس پر حجت قائم ہو چکی ہے یا نہیں، انسان کے بس کی بات نہیں یہ اللہ اور بندے کا معاملہ ہے۔
- جب تک دلیل خوب واضح نہ ہو اس سے حجت قائم نہیں ہو سکتی، حجت تام ہونے کے لیے دلیل کا خوب واضح ہونا ضروری ہے جو ازالۂ شرک میں کامل واکمل ہو۔
- کچھ مسائل میں اتمام حجت کے لیے محض دلیل کا پہنچ جانا ہی کافی ہوتا ہے جب کہ پیچیدہ ومخفی مسائل میں حجت اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتی جب تک سامع اس حجت کو سمجھ نہ لے۔
- یہ صورت بھی ممکن ہے کہ ایک شخص پر بعض معاملات میں حجت تام ہو جائے اور بعض دیگر معاملات میں تام نہ ہو۔
- "فطرتِ انسانیہ" یا "عہدِ الست" بندوں پر عذاب جاری کرنے کے لئے کافی نہیں جب تک رسول ﷺ یا پیغامِ رسالت نہ پہنچے تو حجت قائم نہیں ہوتی اور عذاب دینے کے لئے حجتِ رسالیہ کا قائم ہونا ضروری ہے۔

Bibliography

1. *Alī Bin Muhammad Bin Ali, Al Jurjānī, Al Tarīfāt, Bairūt, Dār al kutub al arabī (1405 AD)*
2. *Abdullāh Bin Umar Bin Muhammad ,Anwār al tanzīl asrār al tawīl, Bairūt,Dār Ihyā al turās al arabī,(1418AD)*
3. *Ahmad Bin Mustafā, Tafsīr Al Marāghī,Egypt, Maktabah Mustafā Al Bābī (1365 AD)*
4. *Qāsim Bin Abdullāh Bin Amīr, Anīs ul fuqahā fī tarīfil alfāzil mutadāvilah, Dār al kutub al ilmiyah,(1424AD)*
5. *Husain Bin Masūd, Masūd, Maālim al tanzīl, Bairūt Dār Tayyibah lilnashar wal tawzī,(1417AD)*
6. *Muslim Bin al Hajjāj Bin Muslim, al-jami'al-sahīh,Bairūt , Dār Al Jīl.*
7. *Muhammad Amīn Bin Umar Bin Ab dul Azīz, Radd al Mukhtār, Bairūt, Dār al fikar,(1412AD)*
8. *Muhammad Bin Abī Bakar Bin Ayyūb, Hidāyah al hayārā fī ajvibatil yahūd wal nasārā, Dār Al Qalam al Sa'uūdia,(1416AD)*
9. *Muhammad Rashīd Bin Alī Razā, Tafsīr al qura'ān al hakim, Egypt, Al hai'ah al misriyah al a'āmmah lilkitāb,(1990)*
10. *Muhammad Bin Ahmad Bin Al Khatīb, Al Sirāj al munīr,Cairo, Matba Būlaq,(1285 AD)*
11. *Muhammad Bin Adris Bin Al Abbās, Al shāfi'ī, Al Risālāh, Maktabah Al Halabī(1358AD)*
12. *Muhammad Bin Ismā'īl al-Bukhārī, al-jami'al-sahīh, Dār Tauq Al najāh (1422 AD)*
13. *Muhammad Bin Mukarram Bin Alī, Al Afiqī, Lisān ul arab, Bairut, Dār Sādir,(1414AD)*
14. *Khalīl Bin Ahmad, Al farāhīdī, Kitāb al ain, Maktabah al hilāa)*
15. *Muhammad Bin hasan Bin Duraid, Al Ishtiqāq, Bairūt, Dār al jīl,(1411AD).*
16. *Ahmad Bin Abdul Halīm Bin Taimiyah, Al Jawāb Al Sahīh Liman Baddala Dīn Al Masīh, Dār Al Aāsimah al Sa'aūdiah (1419AD).*
17. *Sayed Qutub Ibrāhīm Husain, Fī Zilāl Al Qura'ān, Bairūt, Dār Al Shurūq (1412 AD).*